فقہ جعفریہ میں عُشر کی حقیقت و حیثیت

حجۃ الاسلام علامہ شیخ محمد حسین نجفی مجتہد صدر مؤتمر علمائے شیعہ سرگودہا

عشر کے لغوی اور اصطلاحی معنیٰ کی تحقیق

لغت عرب میں عشر کے معنیٰ دسویں حصّہ کے ہیں اور فقہی اصطلاح میں زکوٰۃ کی اس خاص قسم کو عشر کہا جاتا ہے جو اس خاص زرعی پیداوار سے ادا کی جاتی ہے جو بارش یا نہر سے سیراب کی جائے (کہ اس میں دس فیصد واجب ہے) اور اگر زمین مصنوعی ذرائع آب پاشی سے سیراب کی جائے تو اس کی آمدنی سے نصف عشر (بیسواں حصّہ یعنی ۵ فیصد واجب ہوتی ہے)

ہر قسم کی زرعی زکوٰۃ کو عشر کہنے کی وجہ

باوجودیکہ زرعی پیداوار میں بعض اوقات عشر (دسواں حصہ) اور بعض اوقات نصف عشر (بیسواں حصّہ) بطور زکوٰۃ واجب ہوتا ہے مگر کہا سب کو عُشر ہی جاتا ہے۔ اس کی بظاہر یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ بہ نسبت مصنوعی ذرائع آب پاشی سے سیراب ہونے والی زمینوں کے نہری اور بارانی زمینوں کی مقدار زیادہ ہے۔ اس لئے نام کے سلسلہ میں غالب مقدار کو غلبہ دیتے ہوئے دوسری قسم کو بموجب "النادر فی حکم المعدوم" نظر انداز کر دیا گیا ہے؛

شیعہ و سُنّی کی فقہی اصطلاح کا باہمی فرق

عُشر کے سلسلہ میں شیعہ وسنی میں دو قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک تو صرف اصطلاح کا ہے (ولا مشاحۃ فی الاصطلاح) اور وہ یہ ہے کہ شیعہ حضرات ہر قسم کی زکوٰۃ کو خواہ وہ نقدین سے متعلق ہو۔ یا غلاتِ اربعہ سے یا مویشی سے سب کو زکوٰۃ ہی کہتے ہیں (گو ان سب اقسام کے احکام جدا جدا ہیں) مگر حضرات اہل سنّت نقدین (سونا چاندی) اور مویشی کی زکوٰۃ کو تو زکوٰۃ کہتے ہیں مگر غلاّت کی زکوٰۃ کو "عشر" کہتے ہیں۔

بنیادی اختلاف

دوسرا اختلاف (جو کہ بنیادی ہے) یہ ہے کہ حضرات شیعہ زرعی پیداوار میں سے صرف غلاّت اربعہ (گندم، جَو، انگور اور کھجور) پر مقررہ شرائط کے ساتھ زکوٰۃ واجب جانتے ہیں۔ جو کبھی عُشر (دسواں حصّہ) اور کبھی نصف عشر (بیسواں حصہ) ہوتی ہے۔ اور اہل سنت میں سے چند اکابر جیسے جناب ابن ابی لیلیٰ، سفیان ثوری اور ابن مبارک کا بھی یہی مسلک ہے (بدایۃ المجتہد جلد ا ص ۲۳۲ طبع مصر) مگر جمہور اہل سنّت (بالخصوص حضرات حنفیہ) سوائے گھاس، لکڑی اور سرکنڈے کے ہر قسم کی زرعی پیداوار پر عشر یا نصف عشر واجب جانتے ہیں۔

شیعی مؤقف کی صحت پر بعض دلائل

شیعی مؤقف کی صحت پر کئی قوی دلائل موجود ہیں۔ بڑے اختصار کے ساتھ ذیل میں چند دلائل کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

پہلی دلیل

جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ مستند و معتبر احادیث جو بطریق اہل بیتؑ نبوت مروی ہیں (واھل البیت ادریٰ بما

فی البیت) ان میں صراحت موجود ہے کہ صرف غلّاتِ اربعہ میں زکوٰۃ واجب ہے اور باقی چیزوں میں معاف) چنانچہ امام محمد باقر وامام جعفر صادق علیہما السلام سے مروی ہے فرمایا " فرض اللہ الزکوٰۃ مع الصلوٰۃ فی الاموال وسنّہا رسول اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فی تسعۃ اشیاء وعفی عما سواہ فی الذہب والفضۃ والابل والبقر والغنم والحنطۃ والشعیر والتمر والزبیب وعفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہٖ عما سوٰی ذٰلک " (کتب اربعۃ وسائل الشیعہ) یعنی خداوند عالم نے نماز کے ساتھ زکوٰۃ واجب قرار دی ہے اور رسول خداؐ نے اسے نو چیزوں میں مقرر کیا ہے ۔ یعنی سونے اور چاندی میں ۔ اور اونٹ ، گائے ، بھینس اور بھیڑ بکری میں ۔ اور گندم ، جو ، کھجور اور انگور میں اور ان چیزوں کے علاوہ باقی چیزوں سے رسولِ خداؐ نے معاف کر دی ہے "

دوسری دلیل غلّاتِ اربعہ میں تو زکوٰۃ کا وجوب اجماعی واتفاقی ہے ۔ چنانچہ علامہ ابن رشد اندلسی نے اس سلسلہ میں اتفاقی چیزوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

" اما ما اتفقوا علیہ فصنفان من المعدن الذہب والفضۃ اللتین لیستا بحلی وثلاثۃ اصناف من الحیوان الابل و البقر والغنم وصنفان من الحبوب الحنطۃ والشعیر و صنفان من الثمر التمر والزبیب " (بدایۃ المجتہد ج ۱ ص ۲۳۰)

یعنی جن چیزوں میں زکوٰۃ کے واجب ہونے پر تمام اہل اسلام کا اتفاق ہے وہ نو ہیں ۔ معدنیات میں سے سونا اور چاندی ۔ جبکہ زیور کی شکل میں نہ ہوں (کیونکہ

اس میں اختلاف ہے۔ بلکہ بطور سکہ رائج ہوں) حیوانات میں سے اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری۔ دانوں میں سے گندم، جَو اور پھلوں میں سے کھجور اور انگور۔" بعد ازاں علامہ موصوف نے اسی صفحہ پر زیورات میں زکوٰۃ کے وجوب میں اختلاف کا تذکرہ کرنے کے بعد صفحہ ۲۴۲ پر زمینی پیداوار میں اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابن ابی لیلیٰ، سفیان ثوری اور ابن مبارک تو صرف انہی غلات اربعہ میں زکوٰۃ واجب جانتے ہیں۔ اور امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک زمین کی ہر اس پیداوار میں زکوٰۃ واجب ہے جو کاٹی جاتی ہے اور بطور ذخیرہ رکھی جاتی ہے اور امام ابو حنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ گھاس، لکڑی اور سرکنڈے کے علاوہ باقی ہر پیداوار میں واجب ہے۔ شیعی علماء کے نزدیک بھی غلاتِ اربعہ میں زکوٰۃ کا وجوب اتفاقی ہے۔ باقی میں اختلاف ہے چنانچہ علامہ شیخ یوسف بحرانی حدائق ناضرہ میں رقمطراز ہیں:

"لاخلاف بین الاصحاب فی وجوب الزکوٰۃ فی الغلّات الاربعۃ المشھورۃ وھی التمر والزبیب والحنطۃ والشعیر" (جلد ۵: ص ۴۲)

یعنی غلات اربعہ گندم، انگور اور جَو میں زکوٰۃ کے واجب ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے" عقلی قاعدہ یہ ہے (اور یہی ارشاد رسالت کا ماحصل ہے کہ "خذ ما صفیٰ ودع ما کدر" عمدہ واتفاقی چیز کو لے لو اور گدلی و اختلافی چیز کو چھوڑ دو۔ فان المجمع علیہ لاشک فیہ۔ والسلامۃ فی الاتفاق۔

دوسری دلیل ہر پیداوار پر زکوٰۃ کے وجوب پر کسی قابل اطمینان دلیل کا موجود نہ ہونا بھی اس قول کے ضعیف اور اس کے بالمقابل دوسرے قول

کے قوی ہونے کی قوی ترین دلیل ہے۔ (حالانکہ نفی محتاج دلیل نہیں ہوتی) کیونکہ اس عمومی قول کے قائلین کے پاس لے دے کر اگر کوئی دلیل ہے تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد: "فیما سقت السماء العشر و فیما سقی بالنضح نصف العشر"۔ جو چیز بارش سے سیراب ہو اس سے دسواں حصہ اور جو ڈول سے سینچی جائے اس سے بیسواں حصہ واجب ہے۔ (بدایۃ المجتهد جلد ا صفحہ ۲۴۲ ۔ الفقہ علی المذاهب الاربعۃ جلد اص ۴۹۶ طبع مصر)

وجہ استدلال یہ ہے کہ "فیما سقت السماء" اور "فیما سقی بالنضح" میں لفظ ما وارد ہے اور یہ عموم کے لئے ہے۔ لہٰذا ہر زمینی پیداوار سے عشر یا نصف عشر واجب ہے۔ محققین کے نزدیک یہ دلیل تین وجہ سے علیل ہے۔ اوّلاً تو لفظ "ما" کا عموم میں حقیقت ہونا اتفاقی امر نہیں بلکہ اختلافی ہے۔ بعض اسے عموم میں حقیقت اور خصوص میں مجاز اور بعض کے نزدیک دونوں میں مشترک ہے اور بعض کے نزدیک اس کا حکم قضیہ مہملہ والا ہے۔ جو عموم و خصوص دونوں کے ساتھ سازگار ہو جاتا ہے۔ تفصیلات معلوم کرنے کے خواہشمند حضرات نحو اور معانی بیان کی کتب مبسوطہ کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ (مغنی اللبیب طبع مصر جلد ۲ ص ۳ تا ۱۴ تک لفظ ما کے اقسام اور احکام پھیلے ہوئے ہیں) قرآنی آیات سے بھی اسی آخری قول کی تائید مزید ہوتی ہے۔ خداوند عالم جناب رسولِ خداؐ کو خطاب کر کے فرماتا ہے "وعلمك مالم تكن تعلم۔ خدا نے تجھے وہ پڑھایا جو تو نہیں جانتا تھا"۔ ظاہر ہے کہ خدا کے بالمقابل پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلی اور عمومی نہیں ہے، بلکہ جزئی ہے اس سے بھی زیادہ واضح آیت وہ ہے جس میں خلّاق عالم نے جملہ اہل اسلام کو خطاب کر کے فرمایا ہے "وعلمكم مالم تكونوا تعلمون" خدا

نے تمہیں وہ کچھ پڑھایا جو تم نہیں جانتے تھے۔" کیا کوئی صاحب عقل و علم یہ کہہ سکتا ہے
کہ اس آیت میں چونکہ لفظ "ما" موجود ہے۔ اور یہ عموم میں حقیقت ہے۔ اس لئے
تمام اہل اسلام و ایمان کلی و عمومی علم و فضل کے مالک و حامل ہیں حاشا و کلا
ثانیاً: اگر بنظر غائر اس حدیث کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اس چیز
کا بیان کرنا مقصود نہیں ہے کہ کس چیز میں عشر واجب ہے اور کس میں نہیں ؟
بلکہ اس میں صرف یہ چیز بیان کرنا مطلوب ہے کہ عشر (دسواں حصہ) کہاں واجب
ہوتا ہے اور نصف العشر (بیسواں حصہ) کہاں ؟ پہلی جہت سے یہ حدیث
بالکل خاموش ہے۔ لہذا یہ بات ہر زرعی پیداوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہے
یا صرف غلاتِ اربعہ میں یہ دوسرے اخبار و آثار میں تلاش کرنا پڑے
گی۔ (جیسا کہ پہلی دلیل میں واضح کیا جا چکا ہے کہ صرف غلاتِ اربعہ میں زکوٰۃ و عشر
واجب ہے)

ثالثاً: اگر سابقہ تمام حقائق سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ
یہ لفظ ما عموم کے لئے ہے تاہم داخلی و خارجی قرائن قطعیہ کی بناء پر وثوق کے ساتھ
کہا جا سکتا ہے کہ یہ یہاں اپنے عموم پر باقی نہیں ہے۔ بلکہ بالاتفاق مخصص (تخصیص
خوردہ ہے) مثلاً اس حدیث میں یہ مذکور نہیں کہ وجوب عشر میں نصاب کا لحاظ
ضروری ہے یا ہر مقدار پر واجب ہے ؟ اور اگر نصاب کا لحاظ ضروری ہے تو
اس کی مقدار کیا ہے ؟ اس طرح اس حدیث میں اس بات کی بھی کوئی وضاحت
نہیں کہ بالغ پر واجب ہے یا نابالغ پر بھی ؟ عاقل پر واجب ہے یا دیوانہ پر بھی!
ظاہر ہے کہ دلائل خارجیہ سے یہ باتیں معلوم کی جائیں گی اور ماننا پڑے گا کہ ہر
مقدار پر نہیں بلکہ صرف نصاب پر واجب ہے۔ ہر شخص پر نہیں بلکہ صرف

عاقل و بالغ پر ــــ تو بعینہٖ   یہ بات بھی خارجی قرائن اور دلائل سے معلوم کی جائے
گی کہ آیا ہر زرعی پیداوار پہ عشر یا نصف واجب ہے یا صرف غلاتِ اربعہ پر؟ بفضلہٖ تعالیٰ
ہم اس سلسلہ کی پہلی دلیل میں واضح کر چکے ہیں کہ صرف غلات اربعہ میں واجب ہے۔
نہ ہر زرعی پیداوار میں "وہو المقصود وقد حصل بعون اللہ الودود"۔ اس بیان سے یہ
امر بھی واضح و عیاں ہو گیا کہ جس معنیٰ میں فقہ حنفیہ میں عشر واجب ہے اس معنیٰ میں فقہ
جعفریہ میں ثابت نہیں ہے۔

خراجی اور عشری زمین

کتب فقہ کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے
کہ عُشر کے سلسلہ میں حضرات شیعہ اور حضرات
اہلِ سنّت میں اس بات پر تو اتفاق ہے کہ زمین کی دو قسمیں ہیں۔ ایک خراجی ہے اور
دوسری عشری۔ اور یہ کہ جس کاشت کار سے خراج لیا جائے اس کی پیداوار سے
عشر نہیں لیا جائے گا۔ اور جس کاشت کار سے عشر وصول کیا جائے۔ اس سے
خراج (جزیہ) نہیں لیا جائے گا۔ البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ زمین کے خراجی
یا عشری ہونے کا معیار کیا ہے؟ ہاں زمین کی ایک ایسی قسم بھی ہے جو نہ خراجی اور نہ عشری
اس سلسلہ میں اہل سنّت والجماعت کے فقہی مسلک کا خلاصہ یہ ہے۔ جو حضرت مولانا
عبدالحی لکھنوی نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا ہے:

"جو ملک صلح سے لیا جائے یا اُسے قوت سے غلبہ کیا جائے مگر لشکر اسلام
میں تقسیم کرنے کی بجائے خود کافر، باشندوں کو ان کی املاک پر باقی رکھا جائے
یا دوسرے کافروں کو اس کی زمینیں دیدی جائیں تو یہ زمینیں خراجی ہوں
گی اور مصر کے خراجی ہونے پر علماء کا اتفاق ہے ــــ زمین کے اصل
مالک لاوارث مر گئے اور تمام اراضی بیت المال میں آگئیں اور حاکم

نے دراہم لے کر کاشت کاروں کے حوالے کر دیں تو اب کاشت کاروں سے صرف اجرت لی جائے گی، عشر یا خراج نہ ہوگا۔ تو یہ زمین نہ عشری کہلائے گی اور نہ خراجی بلکہ ایک تیسری قسم ہوگی جس کو ارض المملکۃ اور اراضی الحوز کہتے ہیں۔" (فتاوی مولانا عبدالحی مبوب باب الخراج ص ۲۵، ج ۲)

اسلامی حکومت کے زیر تصرف آنے والی زمینوں کی اقسام | مذکورہ بالا بیان کی

بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ اسلامی حکومت کے زیر تصرف آنے والی زمینوں کی چند قسمیں ہیں:

۱۔ وہ زمین جو کسی قسم کی لشکر کشی اور فوجی تگ و تاز کے بغیر قبضہ میں آجائے۔ خواہ اس طرح کہ اس کے اصلی مالک اسے چھوڑ کر چلے جائیں۔ یا وہیں موجود ہونے کے باوجود خود اپنی زمین اسلامی حکومت کے حوالے کر دیں۔

۲۔ اصلی مالک اپنے دین (کفر و شرک) پر باقی رہتے ہوئے اسلامی حکومت سے مصالحت کر کے اپنی زمین اس کے حوالے کر دیں۔

۳۔ وہ افتادہ اور ناکارہ زمین جس کا سرے سے کوئی مالک تھا ہی نہیں۔ یا کبھی اس کا کوئی مالک تو تھا مگر وہ لا وارث مر گیا اور زمین چھوڑ گیا۔ یا وہ زمین جو جھاڑیوں، دلدلوں اور سیلابوں کی زد میں آگئی ہو۔

۴۔ وہ زمین جس کے مالک اسلام قبول کر کے مسلمان بن جائیں۔

۵۔ وہ زمین جس کے مالکوں کو بزور شمشیر مغلوب کر کے مسلمان اس پر قبضہ کر لیں۔

ان اقسام کے احکام | ان پنجگانہ اقسام میں پہلی قسم کو "فئے" پہلی تینوں قسموں کو "انفال" کہا جاتا ہے۔

فئ اور انفال کا بیان فقہ جعفریہ کے مشہور قول کے مطابق ایسی زمینیں نبی یا امام کی ملکیت متصور ہوتی ہیں۔ یعنی اگر نبی کے حین حیات میں ایسی زمین اسلامی حکومت کے قبضہ میں آئے تو یہ خیال جناب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملکیت سمجھی جائے گی اور اس پر ان کا قبضہ متولیانہ نہ ہوگا بلکہ مالکانہ ہوگا۔ جس میں ان کو ہر قسم کے مالکانہ تصرفات از قسم ہبہ اور بیع و شرا وغیرہ کا کلی حق حاصل ہوگا۔ اور اگر نبیؐ کے بعد اس کے جانشین (امام) کے دور میں حاصل ہو تو وہ اس امام کا مال متصور ہوگی۔ جس میں ان کو ہر قسم کا مالکانہ تصرف کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

اس حکم کا ماخذ و مصدر اس مذکورہ بالا شیعی موقف کا پہلا ماخذ و مصدر تو قرآن مجید کی دو آیات ہیں۔ دوسرے وہ احادیث و روایات جو ان آیات کی تفسیر میں جناب رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰؑ سے مروی ہیں:

پہلی آیت سورہ انفال پ ۹ رکوع ۱۵ میں ہے:

یسئلونک عن الانفال قل الانفال للہ والرسول۔ اے رسولؐ! لوگ تم سے انفال کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہدو کہ انفال تو بس خدا اور رسولؐ کے لئے ہے" دوسری آیت سورۃ حشر پ ۲۸ رکوع ۴) میں موجود ہے۔ ارشادِ قدرت ہے۔

وما افاء اللہ علی رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشاء واللہ علی کل شیء قدیر۔ ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین وابن السبیل (اور جو مال) خدا نے اپنے رسولؐ کو (بے لڑے) مفت میں ان سے دلوا دیا تو

(تو مسلمانو) تم اس کیلئے کچھ دوڑ دھوپ تو کی نہیں (نہ) گھوڑوں سے اور نہ اونٹوں سے مگر اللہ اپنے پیغمبروں کو جس پر چاہے قابض کر دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو مال اللہ اپنے رسولؐ کو (ان) بستیوں کے لوگوں سے مفت میں دلوا دے تو (وہ) اللہ کا حق ہے اور رسولؐ کا اور (رسول کے) قرابتداروں کا۔ اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور (بے توشہ) مسافروں کا۔"

(ترجمہ مولانا نذیر احمد دہلویؒ صفحہ ۱۱۷ طبع دہلی)

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ فئے اور انفال (خدا ور رسول کا مال ہے۔

اور ظاہر ہے کہ خدا کا مال رسولؐ کا مال ہے۔ اور رسول کے بعد ان کا وہ حصہ جو باعتبار منصب ان کو حاصل ہوتا تھا وہ ان کے قائمقام (امامؑ) کو حاصل ہوگا۔ اس بات کی مزید وضاحت ان احادیث شریفہ سے ہوتی ہے جو ان آیات کی تفسیر کے سلسلہ میں ائمہ اہل بیتؑ سے مروی ہیں۔ چنانچہ فروع کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے فرمایا: الانفال مالم یوجف علیہ بخیل ولا رکاب او قوم صولحوا او قوم اعطوا بایدیھم وکل ارض خربۃ و بطون الاودیۃ فھو لرسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم وھو للامام من بعدہ یضعہ حیث یشآء۔

یعنی انفال وہ ہے جس کے حصول پر گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے گئے۔ یا جس قوم سے صلح کی جائے (اور اس کے نتیجہ میں اس کی جائداد اسلامی حکومت کے قبضہ میں آجائے) یعنی وہ اپنی مرضی سے اپنی جائداد (اسلامی حکومت) کو پیش کرے اور افتادہ زمین اور وادیوں کے پیٹ یہ سب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت ہیں اور ان کے بعد امام علیہ السلام

کا مال ہیں جس طرح چاہیں اس میں تصرف فرمائیں۔"

نیز انہی حضرات سے وسائل الشیعہ میں مروی ہے۔ فرمایا:

الانفال ما کان من ارض لم یکن فیہا هراقة دم او قوم صولحوا او اعطوا بایدیهم وما کان من ارض خربة او بطون الاودیة فهذا کله من الفیٔ والانفال لله وللرسول فما کان لله فهو للرسول یضعه حیث یشاء۔

(اس کا مطلب بھی وہی ہے جو سابقہ حدیث کا ہے) ان آیات و روایات سے یہی واضح ہوتا ہے کہ اس قسم کی زمین پر نبیؐ و امام کا قبضہ مالکانہ ہوتا ہے۔ صرف متولیانہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ علامہ شیخ عبداللہ مامقانی اپنی کتاب منتہی المقاصد جلد زکوٰۃ صفحہ ۳۲۹ پر لکھتے ہیں:

"ان معنی کون الانفال للنبی فی حیواته وللامام بعد رحلته هو کونها ملکه یتصرف فیها کیف شاء کما صرح بذالك جمع کثیر من الاصحاب بل لاخلاف فی ذالك ینقل۔"

یعنی انفال کے نبیؐ اور ان کے بعد امام کا مال ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ان کی ذاتی ملکیت ہے وہ جس طرح چاہیں اس میں تصرف فرمائیں جیسا کہ بہت سے علماء نے اس کی صراحت کی ہے۔ بلکہ اس سلسلہ میں کوئی اختلاف منقول نہیں ہے۔"

اس نظریہ کے مؤید بعض علماء اہلسنت کا ذکر

اسلامی کتابوں کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات شیعہ اس نظریہ میں منفرد نہیں ہیں بلکہ بہت سے جید علماء

[illegible] ان کے کلام۔
یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ فاضل نوویؒ نے شرح مسلم جلد ۱ صفحہ ۹۱، ۹۲ پر بحوالہ جناب قاضی عیاضؒ حضرت رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مملوکہ اموال کی تفصیل لکھتے ہوئے انفال کو ان میں شامل کرنے کے بعد لکھا ہے:
فکانت ہٰذہ کلہا لرسول اللہ خاصۃ لاحق فیہا لاحد غیرہ۔ یعنی یہ تمام اموال خاص آنحضرتؐ کی ملکیت تھے اور کسی شخص کا ان میں کوئی حق نہ تھا۔"

۲۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر جلالین صفحہ ۱۴۳ پر انفال کے رسولؐ ہونے کے متعلق لکھا ہے "یفعل فیہ ما یشاء" یعنی آپ کو اس مال میں ہر قسم کا تصرف کرنے کا حق حاصل ہے۔

۳۔ علامہ فخر الدین رازیؒ نے اپنی تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۲۵ پر لکھا ہے:
"یضعہ حیث یشآء"

ایک ضروری وضاحت

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ حقیقت اجاگر ہو جاتی ہے کہ "فئی" والی آیت جن ذوی القربیٰ، یتامیٰ اور مساکین وغیرہ کا تذکرہ موجود ہے۔ اس سے رسولؐ کے قرابتدار اور اسی خاندان کے فقراء و مساکین اور یتیم اور مسافر مراد ہیں۔ چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں آئمہ اہل بیتؑ سے اس قسم کی متعدد روایات ہیں جن میں وارد ہے "اقربائنا و مساکیننا و ایتامنا"
(ملاحظہ ہو تفسیر صافی، مجمع البیان، البرہان)

ں کی تائید مزید مولانا نذیر احمد دہلوی کے ترجمۂ قرآن سے بھی ہوتی ہے جنہوں نے لذی القربیٰ ترجمہ "رسول کے قرابتدار" کیا ہے تو جب قرابتداروں سے عام لوگوں کے ابتدار نہیں بلکہ جناب رسول خداؐ کے قرابتدار ہیں تو ماننا پڑے گا کہ فقراء ساکین سے بھی عام لوگوں کے فقراء نہیں بلکہ خاندانِ مصطفٰےؐ کے مساکین اد ہیں۔

چوتھی قسم کا حکم یعنی جس زمین کے مالک اسلام قبول کرلیں ان کی زمین کا حکم یہ ہے کہ وہ بدستور سابق اپنی تمام منقولہ جائداد کے مالک و متصرف رہیں گے اس میں ذرہ برابر کمی بیشی کی جائے گی۔ اور اگر اسلام لانے سے پہلے ان سے خراج لیا جاتا تھا۔ تو اب وہ ساقط ہو جائے گا۔ اور اب مقررہ شرائط کے ساتھ ان سے عشر وصول کیا جائے گا۔ یعنی ان کی زمین عشری متصور ہو گی۔

اور اگر یہ لوگ اسلام قبول نہ کریں مگر معاہدہ کے ذریعہ سے خراج (جزیہ) دے کر اسلامی حکومت کے ماتحت رہنا قبول کرلیں اس شرط پر کہ زمین بدستور ان کے قبضہ میں رہے گی۔ تو اسلامی حکومت پر اس معاہدہ کی پابندی لازم ہوگی زرعی وسکنی جائداد بدستور سابق ان کے پاس رہے گی۔ ہاں ان سے ان کی زمین کا خراج لیا جائے گا۔ اس طرح یہ زمین خراجی متصور ہو گی۔

لیکن اگر وہ اس طرح مصالحت کریں کہ خراج دینے کی بجائے صرف سکنی زمین اپنے پاس رکھ کر باقی زمین اسلامی حکومت کے حوالے کردیں تو اس کا حکم وہ ہے جو ذیل میں پانچویں قسم کا بیان ہو گا۔

پانچویں قسم کا حکم یعنی وہ زمین جو اس کے کافر مالکوں کو بزور شمشیر جنگ میں مغلوب کرکے حاصل کی جائے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جو

زمین فتح کے وقت آباد ہوگی وہ تمام موجودہ اور بعد میں آنے والے مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت تصور کی جائے۔ اسی وجہ سے اس زمین کی بیع و شرا اور تملیک و وقف جائز نہیں ہے۔ اسلامی حکومت صرف مسلمانوں کی ایجنٹ اور نمائندہ ہونے کی حیثیت سے کام کرے گی۔ اور اس کی آمدنی مسلمانوں کے رفاہِ عامہ کے کاموں پر صرف کی جائے۔ اب اصل مالکوں کی ملکیت تو ختم ہو جائے گی۔ اب یہ بات اسلامی حکومت کے سربراہ کی صوابدید پر منحصر ہے کہ خواہ ان کو کاشت کاری پر یا کسی اور کو دے۔ یا پٹہ پر دے۔ اور اگر ان کو کاشت کاری کے لئے دے تو ان کی حیثیت کاشت کار کی ہوگی۔ ان سے محصول وصول کیا جائے گا اور اسے مسلمانوں کے رفاہِ عامہ کے کاموں پر صرف کیا جائے گا اس صورت میں اس زمین کے حاصل پر نہ خراج ہوگا اور نہ عشر۔

جو زمین فتح کے وقت افتادہ اور از کار رفتہ (بنجر) ہو وہ بوجہ انفال ہونے کے نبیؐ و امام کی ملکیت متصور ہوگی۔ ان کو اس میں ہر قسم کا مالکانہ تصرف کرنے کا حق حاصل ہوگا ــــ اور کسی شخص کو ان کی اجازت کے بغیر اسے آباد کرنے کا حق نہ ہوگا۔ اسی لیے اسے "خالصہ" کہا جاتا ہے۔ ہاں اگر وہ (نبی و امام) موجود نہ ہوں تو جو شخص اس زمین کو آباد کرے گا وہ اس کا مالک متصور ہوگا۔ جب اس خاکدانِ عالم پر انسانی آبادی شروع ہوئی تو اسی فطری طریقہ کے مطابق ملکیتِ زمین کا آغاز ہوا کہ جس شخص نے جس جگہ پر قبضہ کر لیا اور اسے سکنی یا زرعی مقصد کے لیے اپنا لیا وہی اس کا مالک اور وہی سب سے زیادہ اس کا حقدار بن گیا۔ اس زمین کی آمدنی پر مقررہ شرائط کے ساتھ صرف عشر واجب ہوگا۔ جو زمین کفار سے بوجہ مصالحت حاصل ہو۔ اس کا حکم بھی بعینہ اسی پانچویں قسم والا ہے کہ جو بوقت صلح آباد ہوگی۔ وہ تمام مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت سمجھی جائے گی۔ اور جو بوقت صلح غیر آباد ہوگی وہ نبی

اور انکے بعد امام کی ملک متصور ہوگی۔

ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ کچھ زمینیں خراجی ہوتی ہیں اور کچھ عشری کچھ نہ خراجی اور نہ عشری۔ اور یہ کہ جس زمین پر خراج لاگو ہو اس پر عشر واجب نہیں ہوتا۔ اور جس پر عشر واجب ہو اس پر خراج نافذ نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اہل ذمہ پر خراج کے ساتھ ساتھ عشر بھی لازم الاداء ہوتا ہے (و ہوا بصر بدلیل ما قالہ)

پاکستان کی زمین خراجی ہے یا عشری

اب رہی اس بات کی تحقیق کہ سابقہ متحدہ ہندوستان اور موجودہ پاکستان کی زمین کی حیثیت کیا ہے؟ آیا یہ خراجی ہے یا عشری؟ تاکہ اس کے مطابق اس کے مالکوں اور کاشتکاروں سے سلوک کیا جائے۔ اس سلسلہ میں ماضی کے دھندلکوں میں جھانک کر اس بات کا جائزہ لینا پڑے گا۔ کہ پہلے پہل مسلمان یہاں کس طرح آئے اور کس طرح اس ملک پر قبضہ کیا؟ جب اس بات کا تعین ہو جائے گا تو اس کے بعد بآسانی اس بات کا فیصلہ کیا جا سکے گا۔ کہ یہاں کی زمین مذکورہ بالا اقسام میں سے کس قسم میں داخل ہے اور اس کا حکم کیا ہے؟ واللہ العالم و ہو ولی التوفیق۔

فقہ جعفریہ کی رو سے زکوٰۃ ضروریات دین میں سے ہے

فقہ جعفریہ کی کتابوں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے والے حضرات پر حقیقت روز روشن کی طرح واضح وآشکار ہے کہ زکوٰۃ (جسے غلات میں عشر کہا جاتا ہے) اسلام کے ان ضروریات میں سے ہے جن کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج ہو کر زمرہ کفار میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص اسے واجب تو جانتا ہے مگر مقام عمل میں ادا نہیں کرتا اس کی شرعی عدالت ختم ہو

جاتی ہے اور وہ فاسق و فاجر قرار پاتا ہے۔

فقہ جعفریہ کے قواعد کی رُو سے صرف وہی عادلانہ حکومت زکوٰۃ و

فقہ جعفریہ کی رُو سے صرف وہی حکومت زکوٰۃ لینے کی حقدار ہے جو علی منہاج النبوت ہو اور عادلانہ ہو

عشر وصول کرنے کی مجاز اور حقدار ہے جو علی منہاج[1] النبوت قائم ہو اور ہر لحاظ سے شرعی حکومت ہو۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ ایک عبادت ہے اور کوئی عبادت بغیر قصد مرتب و تحقق نہیں ہو سکتی۔ اور جب تک ادا کرنے والے کو اس بات کا یقین محکم حاصل نہ ہو کہ اس کی ادا کردہ زکوٰۃ اپنے صحیح مصرف پر صرف ہو گی۔ اس وقت تک وہ فارغ الذمہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ہر قسم کے حکومتی[2] دباؤ سے بالاتر ہو کر ہر شخص آزادانہ ماحول میں عبادت سمجھ کر زکوٰۃ وعشر ادا کرے اور اسے وہاں صرف کرے جہاں اس کی مذہبی فقہ اسے اجازت دے۔

---

[1] فقہ جعفریہ کی مستند کتابوں کا جائزہ لیا گیا لیکن کسی کتاب میں فاضل مقالہ نگار کی اس شرط کا تذکرہ نہیں ہے لہٰذا یہ مقالہ نگار موصوف کی ذاتی رائے متصور ہوگی۔ (ادارہ)

[2] نوٹ: الحمد للہ کہ حکومت پاکستان نے عشر و زکوٰۃ کی وصولی کا اہتمام کیا ہے اور تمام مسالک فقیہ اس بات پر متفق ہیں کہ اگر کوئی اسلامی حکومت اس قسم کا شرعی اقدام کرے تو تعاونوا علی البر والتقوی کے حکم کے تحت اس سے تعاون کرنا چاہیے لہٰذا حکومتی دباؤ کی نفی سے اجتماعی نظام عشر و زکوٰۃ میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہے اس سلسلے میں حفظ ما تقدم یہی ہے کہ حکومتی دباؤ کو تسلیم کیا جائے۔